OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

عصری سماجی علوم کی اسلام کاری کے اصول: اسماعیل راجی الفاروقی کے نقطۂ نظر کا مطالعہ

(Principles of Islamization of Contemporary Social Sciences: A Study of *Ismā'īl Rājī al-Fārūqī's* Perspective)

Dr. Serfraz Hussain Saeed

PhD Graduate, University of Gujrat

Dr. Sobia Khan

Assistant Professor of Islamic Studies, Govt. SC Women University, Bahawalpur

Dr. Mehboob Ali Shah

Head Master, Govt. Elementary school Mehta Jhedu, Chishtian, Bahawalnagar

Abstract

This article studies the thoughts of *Ismā'īl Rājī al-Fārūqī* (1921-1986), a Palestinian-American scholar and philosopher, on the principles of Islamization of modern social sciences. It argues that Modern Western sciences are based on materialism, aimed at profit, luxury and improving living standards. There is no place in these sciences for seeking God and moral values. But there is also no doubt in the fact that number of new practical questions about politics and society, have been addressed by these modern sciences. *Al-Fārūqī* believes in the use of modern Western sciences, but emphasizes the need to reconcile religious and secular sciences. The essential elements of modern Western sciences that are in conflict with Islamic thought and philosophy should be Islamized and disseminated to the common man. To this end, *al-Fārūqī* has outlined a number of principles, according to which Muslims have been suggested to come up with such a curriculum by critically analyzing modern Western social sciences in the light of Islamic

CC BY

sciences that meets with the requirements of the modern age as well is compatible with Islamic *Sharī'ah.*

Key Words: *Ismā'īl Rājī al-Fārūqī,* Islamization of Knowledge, principles

تمہید

گذشتہ چند صدیوں کے دوران میں جہاں عالمِ اسلام زوال کی کیفیتوں سے دوچار ہونے لگا، وہیں مغربی فکر و تہذیب نے اسلامی دنیا کے ہر کونے میں ان گنت سیاسی، معاشرتی، معاشی اور تعلیمی مسائل کو جنم دیا۔ مغربی فکر و تہذیب کے غلبے کے نتیجے میں مسلمان آہستہ آہستہ مغربی فکر و تہذیب اور مغربی فلسفۂ تعلیم کو اختیار کرتے چلے گئے، اور ان کے دلوں اور ذہنوں میں مغربی فکر و تہذیب کا تسلط قائم ہو تا گیا؛ ان کے اخلاق، سماجی روّیے، خاندانی نظم و نسق اور سیاست، غرض سب کچھ ہی مغربی فکر و فلسفے کے رنگ میں رنگ گئے۔ مغربی استعماریت کے اس دور میں جن مسلم اہلِ علم نے مسلمانوں کی فکر اور تعلیمی نظام کی تشکیلِ جدید کی ذمہ داری قبول کی، اور اپنی اپنی صلاحیت اور استعداد کے مطابق مسلمانوں کی اصلاح کا بیڑا اُٹھایا، ان میں ڈاکٹر اسماعیل راجی الفاروقی (1921ء-1986ء) کا نام نمایاں ہے۔ زیر نظر مقالے میں عصری سماجی علوم کی اسلام کاری کے حوالے سے ڈاکٹر اسماعیل راجی الفاروقی کے بیان کردہ اصولوں کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ اس مقالے کے دو حصے ہیں، پہلے حصے میں ڈاکٹر اسماعیل راجی الفاروقی کی احوال اور ان کے علمی و فکری کام بالخصوص سماجی علوم کی اسلام کاری کے حوالے سے ان کے نظریے کا عمومی تعارف اور دوسرے حصے میں سماجی علوم کی اسلام کاری کے حوالے سے ان کے پیش کردہ اصولوں کا خاکہ شامل ہے۔

اسماعیل راجی الفاروقی: احوال و آثار

ڈاکٹر اسماعیل راجی الفاروقی فلسطینی نژاد امریکی سکالر، فلسفی اور ماہر تعلیم ہیں۔ آپ کا اصل وطن فلسطین کا علاقہ جافہ ہے۔ آپ کا خاندان علاقے کے اہم ترین اور بااثر قبیلے میں شمار کیا جاتا تھا۔ 1940 میں فلسطین کے مفتی اعظم کے منصب پر فائز شیخ عبد القادر الحسینی بھی اسی خاندان سے تعلق رکھنے والے تھے۔ آپ کے والد شیخ عبد الہدی الفاروقی خطے کی مشہور شخصیت ہونے کے ساتھ وہاں کے قاضی بھی تھے۔ الفاروقی نے ابتدائی مذہبی تعلیم اپنے والد گرامی سے حاصل کی۔ ابتدائی تعلیمی اور مذہب کا بنیادی علم سیکھنے کے بعد آپ نے French Dominican College Des Frères میں داخلہ لیا، جہاں سے 15 سال کی عمر میں میٹرک کی تکمیل کی۔ 1937ء میں بیروت میں واقع امریکن یونیورسٹی کے آرٹ اینڈ سائنس کالج میں داخلہ لیا، جہاں انگریزی زبان سیکھی اور فلسفے میں گریجویشن مکمل کیا۔ 1942ء میں برٹش حکومت کی جانب سے فلسطین میں رجسٹرار رہے، بعد ازاں غلیلی ضلع کے سربراہ بنائے گئے، جسے وہاں حاکم کہا جاتا تھا۔ حاکم بننے کے بعد غلیلی کو بہتر بنانے اور تعمیر و ترقی پر آپ نے خصوصی توجہ دی، بہترین انتظامی صلاحیت کا ثبوت دیا۔ برٹش حکومت کے ماتحت ہونے کے باوجود آپ نے فلسطینیوں کے کاز کو ہمیشہ اور ہر ممکن ترجیح دینے کی کوشش کی۔ لیکن زیادہ دنوں تک اس پر فائز نہیں رہ سکے کیوں کہ وہاں صیہونی آبادی کا سلسلہ جاری تھا، برٹش حکومت ایک نئی ملک کی بنیاد رکھنے والی تھی۔ صیہونیوں کی بڑھتی ہوئی آبادی آپ کے لیے ناقابل برداشت ہوتی گئی، اسی کشمکش میں شب روز گزرتے رہے، دوسری طرف صیہونی آبادی میں اضافہ ہوتا رہا ہے اور بالآخر 1948ء میں باضابطہ اسرائیل نام کی ریاست کے قیام کا اعلان ہو گیا۔ قیام اسرائیل سے الفاروقی شدید بے چین اور

مایوس ہوئے، صہیونی تحریک کی پر زور مخالفت بھی کی۔ کچھ روایات کے مطابق الفاروقی نے صہیونیوں کے خلاف ہتھیار کا بھی استعمال کیا۔ بہر حال الفاروقی خطے کے آخری گورنر ثابت ہوئے اور ان کے گورنر ہوتے ہوئے وہاں اسرائیل حکومت قائم ہوگئی۔ اسرائیل کے قیام کے بعد فلسطین کی تصویر بدل گئی، ہزاروں لوگوں کو بے گھر ہونا پڑا، اسرائیلی دہشت گردی کے شکار مسلمانوں کو وہاں سے جانا پڑا، ڈاکٹر راجی الفاروقی بھی انھیں لوگوں میں شامل تھے، جنہیں مجبور ہو کر اپنا وطن چھوڑنا پڑا۔ انھوں نے لبنان میں پناہ لی۔ لبنان میں آپ امریکی یونیورسیٹی سے وہ دوبارہ وابستہ ہوگئے، ایم اے میں داخلہ لے حصول تعلیم میں مشغول ہوگئے، محنت اور جدوجہد کی وجہ سے امریکہ کی انڈیانا یونیورسیٹی میں حصول تعلیم کے لیے منتخب ہوگئے۔ انڈیانا یونیورسیٹی سے فلسفہ میں ایم اے مکمل کرنے کے بعد آپ نے ہارورڈ یونیورسیٹی میں داخلہ لیا اور وہاں سے دوسری مرتبہ 1951 میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ تعلیم کے بعد کئی اداروں اور یونیورسیٹیز سے وابستگی رہی۔ کینیڈا کی میک گل اور مونٹریال یونی ورسٹیوں میں تدریسی فرائض انجام دیے۔ ٹیمپل یونیورسیٹی فلاڈلفیا امریکہ میں مذاہب کے پروفیسر رہے، جہاں انھوں نے شعبۂ اسلامیات کی بنیاد رکھی، اس کے علاوہ شکاگو یونیورسیٹی میں وزٹینگ پروفیسر اور سائریکس یونیورسیٹی کے شعبہ مذاہب میں ایسوسی ایٹ پروفیسر کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیں۔ امریکہ میں اسلام، عیسائیت اور دیگر مذاہب کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کے حوالے سے بھی آپ کی خدمات قابلِ ذکر ہیں۔ 1971ء میں امریکن مسلم سوشل سائنٹسٹ (The American Muslim Social Scientists (AMSS کا قیام عمل میں آیا، جس کے پہلے صدر راجی الفاروقی بنائے گئے۔ ڈاکٹر راجی الفاروقی کا ایک اور تاریخی اور قابل فخر کارنامہ عالمی ادارہ برائے فکر اسلامی (The International Institute of Islamic Thought) ہے، جسے انھوں نے 1981 میں ڈاکٹر عبد الحمید ابو سلیمان (سابق ریکٹر انٹر نیشنل اسلامک یونیورسیٹی ملیشیا) کے ساتھ مل کر قائم کیا۔ اس ادارے کا مقصد اسلام کا فروغ، علوم اسلامی میں ریسرچ، دنیا بھر میں اس کا فروغ اور بین المذاہب مکالمات ہے۔[1]

ڈاکٹر راجی الفاروقی نے دنیا کے متعدد ممالک کا سفر کیا اور وہاں کے مفکرین، دانش وروں اور ماہرین تعلیم سے ملاقات کی؛ متعدد مقامات پر لیکچر دیے۔ آپ اسلامی ثقافت کو فروغ دینے، اسلامی افکار وخیالات کی ترویج اور زوال پذیر قوم کو حوصلہ دینے والوں میں سے تھے۔ بین المذاہب مکالمات، توحید کی اعلی تشریح اور اسلامی افکار پر مشتمل دو درجن کتابیں آپ کی یادگار ہیں۔ المختصر ڈاکٹر اسماعیل راجی فاروقی کی شخصیت عظیم اور ہمہ گیر ہے۔ تعلیم پر توجہ دینے کے ساتھ سماجی علوم کو بھی ان کے یہاں غایت درجہ اہمیت حاصل ہے، امت مسلمہ کی ترقی مستشرقین کو مضبوط دلائل دے کر اسلام کی حقانیت ثابت کرنا اور قرآن وسنت کو ہر جگہ بنیاد بنانا ان کی فکر کا محور رہا۔ اپنی کتابوں میں آپ نے جہاں اسلام کے آفاقی نظریے، علم کی اہمیت، بین المذاہب مکالمات، اور امت مسلمہ کے فکری مسائل پر بحث کی ہے، وہیں صہیونیت پر بھی شدید تنقید کی ہے۔

علوم کی اسلام کاری کا نظریہ

---

[1] شمس تبریز قاسمی، "بیسویں صدی کے عظیم مفکر: ڈاکٹر اسماعیل راجی الفاروقی۔" رسائی جون 2، 2021۔
https://hamariweb.com/articles/104747

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ڈاکٹر اسماعیل راجی الفاروقی عصرِ حاضر میں امت مسلمہ کے ان معدودے چند مفکرین میں سے ہیں، جنھوں نے سماجی علوم کی اسلام کاری پر زور دیا۔ آپ نے قرآن وحدیث پر مبنی نصاب تعلیم اور تدریسی نظریہ کا خاکہ پیش کیا اور اس ذریعے سے مسلمانوں کے مستقبل اور ان کی متوقع کامیابیوں کے بارے میں لائحہ عمل تیار کیا۔ آپ تمام چیلنجوں کو تعلیم کے ذریعے حل کرنے پر یقین رکھتے تھے۔ آپ کا خیال تھا کہ امت کی اصل طاقت اس کا مذہب ہے، اور مذہب کی اصل طاقت اس کا عقیدہ ہے۔ ان کے مطابق سترھویں صدی کا آغاز مستشرقین اور عیسائی مشنریوں کے ذریعے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف علمی ماحول سازی کا دور تھا۔ اس لیے ایسا علمی و تحقیقی لٹریچر پیش کرنا ہوگا جو ان سے زیادہ معروضی اور تحقیقی انداز میں اسلام کا صحیح پیغام پیش کر سکے۔ تعلیم کو مغربی رنگ میں رنگنے سے تعلیم نے اپنا اصلی فائدہ کھو دیا ہے، اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا ہے کہ انسان کا خدا سے تعلق ختم ہو گیا کیوں کہ مغربی تعلیم اور افکار و نظریات نے تعلیم کو خدا سے کاٹ دیا ہے۔ اس لیے ایسے نظریہ اور نصاب تعلیم کی ضرورت ہے، جس کی بنیاد قرآن و سنت پر ہو۔ وہ امت مسلمہ کے موجودہ فکری ذخیرے پر از سر نو ناقدانہ نظر ڈالنے اور اصول فلسفہ کو نئے انداز سے مرتب کرنے کے پرزور حامی نظر آتے ہیں۔ انھوں نے تعلیم جدید، علم کلام، تہذیب و تمدن، انسانی صلاحیتوں اور انسانی اقدار کے لیے، وہ اصول و قواعد ترتیب دیے، ہیں جن کی اساس پر امت کے لیے نئے فکری سرمائے کو وضع کیا جاسکتا ہے۔ وہ وحی الٰہی اور عقل کو مربوط کرنے کے علمبردار تھے، ان کا خیال تھا کہ اگر یہ دونوں چیزیں باہم مربوط نہ ہوئیں تو نہ امت مسلمہ کی نشاۃ ثانیہ کا خواب شرمندہ تعبیر ہو سکتا ہے اور نہ انسانیت کی فلاح و کامرانی کی امید کی جا سکتی ہے۔[2]

عصری سماجی علوم کو اسلام کاری کے اصول

ڈاکٹر اسماعیل راجی الفاروقی نے جدید سماجی علوم کی اسلام کاری کے لیے درج ذیل رہنما اصول پیش کیے:

جدید علوم پر کامل دسترس اور انھیں اجزا میں تقسیم کرنا

اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ موجودہ از حد ترقی یافتہ مغربی علوم، جن میں عصری سماجی علوم بھی شامل ہیں، کو پہلے اصناف، اصول، مناہج، مسائل اور موضوعات میں تقسیم کر دیا جائے۔ اس تقسیم کو تدریسی کتاب میں درج موضوعات اور مناہج کو سامنے رکھ کر تیار کرنا چاہیے، یعنی ہر علم کا وہ نصاب جو ایک گریجوایٹ طالب علم کے لیے جاننا ضروری ہے۔ اس تقسیم کو نہ تو کتابی ابواب میں لکھنا چاہیے، نہ ہی فنی زبان میں لکھنا چاہیے، بلکہ وضاحتی جملوں کے ذریعے اعلیٰ ترین مغربی علوم کے قضایا، فنی اصطلاح، اصول، مسائل اور موضوعات کو بیان کیا جائے۔[3]

علوم کا جائزہ

ہر مضمون کا لازماً جائزہ لیا جانا چاہیے۔ اس پر ایسے مضامین لکھے جانے چاہییں جن میں واضح خطوط میں اس علم کے آغاز، ارتقا کی تاریخ، اس کے منہاج کی ترقی، موضوع علم کے اُفق کی وسعت پذیری اور اس کے ماہرین کے خاص خاص عطیات نمایاں طریقہ پر بیان کیے جائیں۔ سماجی علوم کے ہر شعبۂ علم سے متعلق اہم ترین تصنیفات پر مبنی فہرست کتب کی تیاری بھی اس جائزہ کا حصہ ہونا چاہیے۔ اس فہرست میں ایک ترتیب اور تقسیم کے ساتھ ان تمام کتابوں اور مضامین کو بھی درج ہونا چاہیے، جن پر اس

---

[2] شمس تبریز قاسمی، "بیسویں صدی کے عظیم مفکر: ڈاکٹر اسماعیل راجی الفاروقی۔"

[3] ڈاکٹر اسمٰعیل راجی الفاروقی، علوم جدید کی اسلامی تشکیل: عام اصول اور خطوط کار، ترجمہ۔ پرفیسر سید محمد سلیم، (لاہور: کتاب محل، 2018ء)، 89۔

علم کی تحصیل کا انحصار ہے اور جن کے بغیر متعلقہ علم پر عبور حاصل کرنا سخت دشوار ہے۔ اس طریقے سے مسلمان دانش ور متعلقہ سماجی علوم کو ٹھیک انداز میں سمجھے گا اور اس پر عبور حاصل کرے گا جس انداز میں وہ مغرب میں پروان چڑھا ہے۔ اس طرح واضح طور پر بیان کردہ علم کا ثابت شدہ حصہ مع ترجیحی نوٹ اور حاشیہ کے ایک ایسے علم کا جائزہ ہوگا جو اس علم کی تفہیم کے لیے ان ماہرین کے واسطے ایک بنیاد کا کام دے گا، جو علوم کی تشکیل اسلامی کے خوہاں ہیں۔ چونکہ علوم آج مغرب میں کئی زرق برق اشیاء کا مجموعہ بن چکے ہیں اور علم کا لاوا پھوٹ پڑا ہے، اس لیے ان علوم پر بحث کرنے والے مسلمان دانش وروں کا فرض ہے کہ وہ پہلے ان کی بنیاد مقرر کریں اور پھر ان کا تشخص، تاریخ، حدودِ اربعہ تفصیل سے بیان کریں اور ساتھ ہی عصری سماجی علوم کی اسلام کاری کے لیے تحدید کار متعین کریں اور اس پر متفق ہو جائیں۔[4]

اسلامی علمی ورثے پر دسترس

کسی بھی علم کا اسلام سے تعلق بیان کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ اس علم سے متعلق اسلامی ورثہ کیا بتاتا ہے۔ اسلامی تعلق بیان کرنے کے لیے اسلاف کا ورثہ ہمیشہ نقطہ آغاز بننا چاہیے۔ اگر اسلامی ورثہ کو نظر انداز کر دیا جائے اور اسلاف کی بصیرت سے استفادہ نہ کیا جائے، تو ہم عصری سماجی علوم کی اسلامی تشکیل نہیں کر سکتے۔ بعض جدید سماجی علوم کی اقسام، موضوعات حتیٰ کہ بعض دفعہ تو اس علم کا نام بھی اسلامی ورثہ میں نہیں ہوتا اور مغربی تربیت یافتہ مسلمان دانش ور بسا اوقات اسلامی ورثہ تک رسائی حاصل کرنے میں ناکام ہو جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس کو زبردست ترغیب مل جاتی ہے کہ وہ مایوس بیٹھے یہ خیال کرے کہ اس مسئلہ پر اسلامی ورثہ خاموش ہے۔ حالانکہ حقیقت حال یہ ہے کہ وہ اسلامی ورثہ میں اس سے متعلق جو موضوعات اختیار کیے گئے ہیں، جس کے تحت وہ مواد ہے، جو اس کے موضوع سے متعلق ہے، وہ ان سے ناواقف ہے۔ عصری سماجی علوم کی اسلام کاری کے لیے ضروری ہے کہ ان علوم سے متعلق اسلامی ورثہ میں منتخب اجزا پر مشتمل کثیر تعداد میں مختلف مجموعے تیار کیے جائیں۔ یہ مجموعے جدید مسلمان دانش وروں کی رسائی اسلامی ورثہ تک کرا دیں گے، جو اس کی تحقیقات کا خاص موضوع ہے۔ چونکہ مسلم دانش وروں کے پاس نہ اتنا وقت ہے اور نہ ہی ضروری علوم ہیں کہ وہ از خود اسلامی ورثہ تک رسائی حاصل کر سکیں، اس لیے مجوزہ مجموعوں کی تیاری کے بغیر عصری سماجی علوم کی اسلام کاری ممکن نہیں۔[5]

مختلف علوم کے ساتھ اسلام کا خصوصی تعلق واضح کرنا

مذکورہ بالا چاروں اقدام کا مطلب یہ ہے کہ مسئلہ پوری طرح اسلامی مفکر کے سامنے آ جاتا ہے۔ یہ اقدام اس کے سامنے علوم کے ارتقا کو پیش کرتے ہیں جس سے مسلمان اپنی غفلت کے سبب پیچھے رہ گئے۔ اس کو پوری قوت اور وثوق سے یہ بات بتا دیتے ہیں کہ سماجی علوم کے موضوعات میں اسلامی ورثہ کا کتنا حصہ ہے، اور اس علم کے اپنے مقاصد کے حصول میں اسلامی ورثہ کا کیا کردار رہا ہے۔ سماجی علوم کے اس علم کو کارآمد بنانے اور اس کی اسلام کاری کے لیے ضروری ہے کہ اس کہ جدید علوم کی طرز پر مرتب کیا جائے۔ اس سلسلے میں سماجی علوم کے مزاج، اصول، مسائل، مطمح نظر، توقعات، اس کی کامیابیاں اور نقائص، ہر چیز کی اسلام کاری ضروری ہے، اور ان تمام چیزوں کا اسلامی ورثہ سے تعلق قائم کرنا چاہیے اور ورثہ کا متعین تعلق ہر جزو کے ساتھ ورثہ

[4] الفاروقی، علوم جدید کی اسلامی تشکیل: عام اصول اور خطوط کار، 90۔

[5] الفاروقی، علوم جدید کی اسلامی تشکیل: عام اصول اور خطوط کار، 90۔

کے عمومی حصہ کے ساتھ منضبط کرنا چاہیے۔ اس سلسلےمیں متعدد سوالات کے جوابات درکار ہیں مثلاً پہلا یہ کہ اسلامی علوم کا ورثہ قرآن مجید سے لے کر جدید دور تک، جدید سماجی علوم کے موضوعات کے پورے دائرے میں کیا حصہ پیش کرتا ہے؟ دوسرا سوال یہ کہ اسلامی ورثہ کے حصے کا جدید سماجی علوم کی کامیابیوں کے ساتھ کس قدر تقابل یا تخالف ہے، کہاں اسلامی ورثہ ناکام رہا، پیچھے رہ گیا یا جدید سماجی علوم کے مجموعی تصور اور دائرہ کار کے آگے بڑھ گیا ہے؟ تیسرا سوال یہ کہ سماجی علوم کے جن گوشوں اور پہلوؤں میں اسلامی ورثہ نے کوئی توجہ نہیں دی، کوئی کوشش نہیں کی، کیا اب وہاں مسلمانوں کو اپنی توجہ صرف کرنی چاہیے تاکہ خلا پُر ہو سکے اور مسائل کی تشکیلِ جدید ہو اور مجموعی تصور میں وسعت پیدا ہو؟[6]

جدید علوم کا تنقیدی محاسبہ

اب جب کہ جدید سماجی علوم اور اسلامی ورثہ دونوں پوری طرح سامنے آ گئے، دونوں کے اصول، موضوعات، مسائل اور کامیابیوں کا تعین ہو چکا ہے، جائزہ تجزیہ ہو چکا ہے اور آخری طور پر یہ کہ اس علم سے اسلام کا تعلق بھی واضح کیا جا چکا ہے، تو اب یہ مرحلہ باقی ہے کہ ان جدید سماجی علوم کا تنقیدی مطالعہ کیا جائے۔ جدید سماجی علوم کی اسلام کاری میں یہ ایک اہم قدم ہے۔ سابقہ پانچ اقدامات درحقیقت اس کی راہ تیار کر رہے تھے۔ تاریخی ارتقا بیان کرتے وقت حالات کے تقاضے بیان کیے جائیں، جنھوں نے اس علم کو موجودہ شکل دی۔ اس کا طریقہ کار کن چیزوں کو مواد اور مسائل قرار دیتا ہے۔ پھر ان کو کن اصناف اور گروہ میں تقسیم کرتا ہے، کن چیزوں کو وہ نظریہ قرار دیتا ہے، یعنی وہ اصولِ اولیہ جن کے تحت وہ مسائل کو حل کرتا ہے، ان تمام کا تجزیہ ہونا چاہیے۔ پھر ان کی تخفیف، موزونیت، معقولیت اور تسلسل کے نقطۂ نظر سے جانچ کی جائے اور آخر میں ان پانچ وحدتوں کے مطابق جانچا جائے، جو اسلام سکھاتا ہے۔ علم کے غالب مسائل مستقل موضوع کا تجزیہ کیا جائے، ان کے دعوے، اہمیت اور علم کے مجموعی تصور سے متعلق ہونے کی بنا پر علم کے حتمی مقصد کا تعلق اور اس کے منہاج سے تنقیدی طور پر قائم ہو جانا چاہیے اور اس کے ظاہری مقاصد سے بھی تنقیدی طور پر قائم ہونا چاہیے۔ کیا اس نے بانیان کے پیشِ نظر مقاصد پورے کر دیے؟ کیا اس نے تلاشِ علم کی مجموعی تحریک یعنی انسانی جستجو میں اپنا کردار ادا کیا ہے؟ کیا اس نے انسانی توقعات حاصل کر لی ہیں جن کے لیے انسان کی جدوجہد جاری ہے؟ افادہ علم و تاریخ کے لیے کیا اس نے تخلیق میں سنت الٰہی کا قیام کر دیا ہے، جو اسے کرنا چاہیے تھا؟ ان سوالات کے جواب اسلامی نقطۂ نظر سے اس علم کی درست اور واقعی کیفیت پیش کر دیں گے جہاں اسلامی نقطۂ نظر سے جدید سماجی علوم کی تصحیح، ترمیم، اضافہ، حذف اور پھر اسلام کاری ممکن ہو سکے گا۔[7]

اسلامی ورثے کا تاریخی تجزیہ اور تنقیدی مطالعہ

جدید سماجی علوم کی اسلام کاری کے لیے محض یہ کافی نہیں کہ صرف جدید سماجی علوم میں اسلامی ورثہ کے اہم اقدامات نقل کر دیئے جائیں بلکہ اس سلسلہ میں اور بھی بہت کچھ کرنا ابھی باقی ہے۔ اسلاف نے اپنے فہم و بصیرت سے پیش آمدہ مسائل کی اسلام کاری کی بھرپور کوشش کی ہے۔ یہ کام انھوں نے اس صورت میں کیا جب کہ ہر قسم کے عوامل اور قوتیں ان پر اثر انداز ہو رہی تھیں۔ ان کی نکھری ہوئی شفاف اسلامی بصیرت کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ان کے فیصلوں کا تاریخی پسِ منظر میں

---

[6] الفاروقی، علوم جدید کی اسلامی تشکیل: عام اصول اور خطوط کار، 93-94۔

[7] الفاروقی، علوم جدید کی اسلامی تشکیل: عام اصول اور خطوط کار، 93-94۔

تجزیہ کیا جائے اور مسائل پیش آمدہ کا زندگی کے دوسرے شعبوں سے اور افکار سے تعلق بیان کیا جائے اور واضح کیا جائے کہ اسلامی ورثہ کا تاریخی تجزیہ اسلامی بصیرت کے متعدد گوشوں کو یقیناً روشن کر دے گا اور اسلامی بصیرت کو سمجھنے میں مدد دے گا۔ یہ بتائے گا کہ ہمارے اسلاف نے کس طرح جدید سماجی علوم کو سمجھا اور اور اس سے متاثر ہوئے بغیر ان کی اسلام کاری کی کوشش کی۔ جدید سماجی علوم کو اسلامی کرتے ہوئے اسلامی ورثہ کا مجوزہ تجزیہ بلا سوچے سمجھے اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ ترجیحات کی ایک صعودی ترتیب کو پہلے تیار کرنا چاہیے۔ پھر مسلم دانش وروں کو دعوت دینی چاہیے کہ وہ اس کام کو اس ترتیب سے ہاتھ میں لیں۔ جن امور کے واسطہ سے موجودہ مسائل کا اسلام سے کوئی تعلق ہو سکتا ہے، ان کو اسلام کی تعلیمی اور تحقیقی حکمت عملی کا موضوع بننا چاہیے۔[8] اسلامی ورثہ سے ہماری مراد اوّلین درجہ میں کلامِ الٰہی قرآن مجید اور رسول ﷺ کی سنت ہے یہ دونوں تنقید اور محاسبہ سے بالاتر ہیں۔ قرآنِ مجید کے کلامِ الٰہی ہونے اور سنتِ رسول ﷺ کا عملی معیار ہونے کسی شک وشبہ سے بالاتر ہے لیکن ان دونوں سرچشموں کے بتائے ہوئے اصولوں کی روشنی میں ان پر بھی تنقید ہو سکتی ہے اور ان کی قدر وقیمت کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ یہی حال ہے اسلامی ورثہ کے بقیہ اجزا کا کہ جن کا استخراج مذکورہ بالا دونوں ماخذوں میں سے کسی ایک یا دونوں سے ہوا ہے۔ انسانی کوشش کا حصہ تبصرہ اور تنقید کا محتاج ہے۔ کیونکہ وہ مسلمانوں کی زندگیوں میں وہ حرکی کردار ادا نہیں کر رہا جو سابق دور میں رہ کر وہ کر چکا ہے اور جس کے ادا کرنے کی آج بھی توقع کی جا رہی ہے۔ اب اگر ورثہ ناقص ہو یا غلط ہو تو کوشش کر کے اس کی اصلاح کرنی چاہیے۔ لیکن اگر ورثہ کافی ہے تو مزید ترقی اور تخلیقی طور پر نکھار ضروری ہے۔ جدید سماجی علوم کے سلسلے میں مستقبل کے تقاضوں کے لیے بہرکیف کوئی اسلامی مؤقف آج کارگر نہیں ہو سکتا، جب تک کہ ان علوم کو اسلامی ورثہ سے مربوط نہیں کیا جاتا۔ ایسا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی بنیاد اسلامی ورثہ کے عمیق مطالعہ پر ہو۔ اس کی خوبیاں واضح ہوں۔ مزید برآں حال اور استقبال کا اسلامی مؤقف ایسی شکل اختیار کرے کہ اسلامی ورثہ سے اس کا تسلسل باقی رہے، نہ کہ یہ ورثہ سے کلی انحراف اختیار کیا جائے۔[9]

امت کے بڑے بڑے مسائل کا جائزہ

غفلت سے بیدار ہونے کے بعد امت آج ہر جانب سے مہیب مسائل کا شکار نظر آتی ہے۔ اس کے معاشی، عمرانی، سیاسی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ تعلیمی میدان میں پسماندگی نہایت شدید ہے۔ تعلیمی مسائل کی اس بلند چوٹی میں جدید سماجی علوم بھی ایک اہم مسئلہ ہیں جس کے اسباب وعلل کو مغلوبہ اور ان کا ظہور اور دوسرے مظاہرات اور نتائج کی جدلیاتی منطق، ان سب امور کا استقرائی جائزہ اور پھر تنقیدی تجزیہ نہایت ضروری ہے۔ علوم کی حکمت کو جدید سماجی علوم کی اسلام کاری کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ امت نہ صرف ان مسائل کو سمجھے بلکہ امت پر ان اثرات کا صحت کے ساتھ تعین کر سکیں اور دنیا میں اسلامی مقصد پر ان کے اثرات کا صحیح تعین کر سکیں۔ خاص طور پر علوم کے مسائل پر اور ہمارے تعلیمی اداروں پر جہاں اسلام سے بیگانگی کی کوشش جاری ہے اور جہاں جہاں جدید سماجی علوم کی اسلام کاری کی کوششیں بھی جاری ہیں۔ اس کے ساتھ ہماری توجہ ان اصل مسائل پر مرکوز ہونی چاہیے، جو امت کے سیاسی، معاشی، فکری، ثقافتی اور روحانی مسائل کو متاثر

---

[8] الفاروقی، علوم جدید کی اسلامی تشکیل: عام اصول اور خطوط کار، 92-93۔

[9] الفاروقی، علوم جدید کی اسلامی تشکیل: عام اصول اور خطوط کار، 95-96۔

کر رہے ہیں بلکہ ہر شعبہ زندگی کے مسائل پر ہماری توجہ ہونی چاہیے تاکہ نہ صرف ہم ان مسائل پر قابو پاسکیں بلکہ تعلیمی مسائل جیسے جدید سماجی علوم سے بھی درست طور پر عہدہ برآہو سکیں۔[10]

انسانیت کے مسائل کا جائزہ

اسلام کا تصور حقیقت کا جزوِ لاینفک ہے کہ مسلمانوں پر نہ صرف امتِ مسلمہ کی فلاح و بہبود کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے بلکہ تمام انسانوں کی بھلائی بھی ان کے پیشِ نظر رہنی چاہیے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی امانت ساری کائنات پر محیط ہے۔ اس لیے مسلمانوں کی ذمہ داری بھی اسی کے مطابق ہے۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ امتِ مسلمہ دیگر مسائل کے ساتھ ساتھ تعلیمی مسائل میں بھی بہت سست اور پیچھے ہے، لیکن حاملِ حق و صداقت اور حاملِ نظریۂ حقیقت ہونے کی بنا پر اس امت کا کوئی ثانی نہیں۔ اس لیے ایک مفکر کی ذمہ داری ہے کہ وہ نہ صرف دیگر مسائل کے ساتھ جدید سماجی علوم کی اسلام کاری کے لیے نئے خطوط کا تعین کرے بلکہ وہ دنیا کے دیگر مسائل کا سامنا کرنے کے ساتھ ساتھ ان کو اسلامی طریقہ و فکر کے مطابق حل کرنے کی کوشش بھی کرے۔[11]

تخلیقی تجزیہ اور تالیف

جدید سماجی علوم اور اسلامی ورثہ سے مکمل واقفیت اور مہارت حاصل ہو جانے کے بعد، ان کی قوت و ضعف کا درست اندازہ لگا لینے کے بعد اور علم کے مخصوص شعبہ کا تعلق اسلام سے قائم کر لینے کے بعد بحیثیت خلیفۃ اللہ فی الارض تاریخ میں اپنا سفر جاری رکھنے کے لیے امت کے سامنے مسائل کا ادراک حاصل کر لینے کے بعد، اسلامی نقطۂ نظر سے امت کے مسائل کا تجزیہ کر لینے کے بعد، انسانی تاریخ میں شہداء علی الناس کا اہم قرآنی فرض ادا کرنے کے لیے اب زمین اس مقصد کے لیے تیار ہو گئی ہے کہ مسلم مفکر اپنا تخلیقی فکری کردار ادا کرے۔ اسلامی اور جدید سماجی علوم کے درمیان ایک نوع کا تخلیقی امتزاج پیدا کرنا ضروری ہے، جو صدیوں کی کامیابیوں کے عدم ارتقاء کے خلا کو پاٹ دے گا۔ اسلامی علوم کے ورثہ کا جدید سماجی علوم کے ورثہ سے ارتباط بہت ضروری ہے تاکہ علم کی حدود کو نئے اُفق تک وسیع کیا جاسکے، جہاں تک ابھی جدید سماجی علوم کی نگاہ نہیں پہنچی۔ اس تخلیقی آمیزہ کا تعلق امت کی حقیقت سے قائم رہنا ضروری ہے۔ بعض عنوانات اور مسائل کے ساتھ اسلامی ورثہ کے تعلق کی موجودگی میں اور پیشِ نظر مسئلے کے مخصوص پہلوؤں کی موجودگی میں کون کون سے متبادل راستے مسلمان کو اختیار کرنا چاہیے، یقیناً ہر صورتِ حال میں کثرت سے متبادل اختیارات موجود ہوتے ہیں ان میں سے بعض اسلامی صورت کے قریب ہوتے ہیں اور بعض بہت دور۔ کم یا زیادہ سب ہی کارگر ہوتے ہیں یا مزاحمت کرتے ہیں۔ ان میں سے کون سا انتخاب قابلِ عمل ہے اور کون سا ضروری یا ناگزیر ہے، یا پھر کون سا انتخاب پسندیدہ یا ناپسندیدہ ہے؟ کس معیار کے مطابق مسئلہ زیرِ بحث کا اسلام سے تعلق معلوم کیا جاسکتا ہے؟ کس طریقہ سے مجوزہ حل کی کامیابی جانچی جاسکتی ہے؟ کن اصولوں کی بنا پر تخلیقی آمیزہ کا حصہ پیش کیا جاتا ہے، جانچا جاتا اور پرکھا جاتا ہے؟ کس طرح صحیح ترمیم و اصلاح تجویز کی جانی چاہیے؟ ان کی ترقی اور کامیابی کی کس طرح نگرانی اور جانچ کی جاسکتی ہے؟[12]

---

[10] الفاروقی، علوم جدید کی اسلامی تشکیل: عام اصول اور خطوط کار، 96-97۔

[11] الفاروقی، علوم جدید کی اسلامی تشکیل: عام اصول اور خطوط کار، 97-98۔

[12] الفاروقی، علوم جدید کی اسلامی تشکیل: عام اصول اور خطوط کار، 98-99۔

اسلامی خطوط کے مطابق علوم کی تشکیل جدید

یہ بات فطری ہے کہ تمام اسلامی تربیت یافتہ اذہان ہمیشہ ایک ہی نتیجہ پر نہیں پہنچیں گے یا ایک ہی چیز کا انتخاب نہیں کریں گے، جب کہ وہ اسلام کا امت کے حال اور استقبال کے مسائل پر انطباق کرتے ہوں گے۔ یہ اختلاف ناپسندیدہ نہیں۔ بلکہ بڑی خوشی سے بڑی حد تک خوش آئند ہے۔ ہمیں تو اسلام پر ایمان رکھنے والے جدید سماجی علوم کے تربیت یافتہ افراد کے اذہان سے نکلے ہوئے درجن بھر مختلف تنقیدی تجزیے درکار ہیں تا کہ امت کا شعور اپنے نصب العین اور اپنی ضروریات کے مختلف پہلوؤں سے باثروت ہو۔ فی الواقع امت قرن اول ہجری کے دور کی زندہ سرگرمی فعالیت تک نہیں پہنچ سکتی، جب تک کہ اسلام تمام مسلمانوں کے لیے ایک ہانڈی کی مثال نہ بن جائے جس میں سے ہر وقت نئے افکار، نئے خیالات کے بلبلے اُٹھتے رہیں اور ان میں سے کوئی اللہ کی سنت کی عملی تعبیر بن سکے۔ جب تک ایک لامحدود اخلاقی اور تخلیقی متبادلات کے لیے ایک جان نہ بن جائے، جہاں سے اقدار کو تاریخ کے دھارے کے اندر تجسیم و تعمیل کی شکل دی جائے۔ اسلام کے مفہوم کی نئی بصیرت کے عمل سے اور اس مفہوم کو روبہ عمل لانے کے لیے تخلیقی متبادل انتخاب سے جدید سماجی علوم کی اسلام کاری کے لیے کلیاتی یا جامعاتی تدریسی کتب لکھی جائیں۔ ایسے متبادل مضامین جو کسی موضوع، شاخ یا مسئلہ پر افراد کے تخلیقی نقطۂ نظر کو پیش کرتے ہوں، ان کا انبار لگ جانا چاہیے۔ تا کہ یہ بصیرتی پسِ منظر اسلامی ربط کے لیے میدان کا کام دے۔ پھر اسی میں سے اس علم کے لیے اسلامی بصیرت کا استخراج عمل میں آئے۔ جدید سماجی علوم کی اسلام کاری کا کام ایک درسی کتاب لکھ دینے سے پورا نہیں ہو سکتا، خواہ سابقہ ہدایات کا پورا خیال رکھا گیا ہو۔ اس کام کے لیے بیسیوں درسی کتب درکار ہیں تا کہ اسلامی ذہن کی قوت حیات کا اظہار ہو۔ مزید یہ کہ جامعات کے مختلف درجات کی ضروریات پوری کرنے کے لیے کتنی ساری کتابیں درکار ہیں، اس بات کو ذہن میں رکھا جائے۔ مسلمانوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے بہت سی کتب درکار ہیں، یہ ضروریات بے اندازہ ہیں۔ اسی طرح اسلامی تصورات اور بصیرت کو واضح انداز میں پیش کرنے کے لیے بھی بہت سی کتابیں چاہییں۔ اس وضاحت کی بھی کوئی حد نہیں۔ تاہم اصول ترجیح کا تقاضا ہے کہ ہماری اولین ترجیح اور کوششیں جدید سماجی علوم میں معیاری تدریسی کتاب کی تیاری پر مرکوز ہونی چاہیے، جو ان علوم سے اسلام کے تعلق کو واضح کر دے گی اور اسلامی اذہان کا آئندہ پیروی کرنے کے لیے ایک نمونہ قرار پائے گی۔ اس بات کو کہنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ جامعات کی تدریسی کتب کی تیاری پر قبضہ جمانے کے لیے سابق میں ذکر کیے گئے اقدامات کو نظر انداز کر کے عجلت میں کتابیں تیار کرنے کا مطلب ہو گا کہ اس سلسلہ میں معمولی کوشش کی گئی۔ جامعاتی تدریسی کتب کی تیاری درحقیقت جدید سماجی علوم کی اسلام کاری کے طویل عمل کا آخری مرحلہ ہے، یہ وہ عمل ہے جو مذکورہ بالا تمام مراحل کی تحقیق و جستجو کو کامرانی کا تاج بخشتا ہے۔[13]

اسلام کاری شدہ علم کی ترویج واشاعت

یہ ایک کاہلی کی بات ہو گی کہ خواہ کتنا ہی بڑا کام ہو کہ یہ تمام کتب جو مسلمان دانش وروں نے تیار کی ہیں، وہ ان کی ذاتی لائبریریوں کی زینت بنی رہیں اور یہ بھی افسوس کی بات ہو گی کہ ان کا علم مصنف کے چند دوستوں کو یا ان کا استعمال صرف اطراف میں یا اس کے ملک میں ہو۔ جس کام کو خدا کے لیے تیار کیا گیا اس پر پوری امت کا حق ہے اور وہ کام پوری امت کی

---

[13] الفاروقی، علوم جدید کی اسلامی تشکیل: عام اصول اور خطوط کار، 99-101۔

ملکیت ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کے ہاں ثواب صرف اسی صورت میں مل سکتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ مخلوقِ خدا اس سے مستفید ہو سکے۔ مسلمان کو فکری کاوش کا مادی معاوضہ مل سکتا ہے، بلکہ ضرور ملنا چاہیے لیکن فکری کوششیں اسلام میں منافع کی غرض سے محدود نہیں کی جا سکتیں۔ یہ چیز اس پر یہ شرط عائد کرتی ہے کہ اس کو عام رہنا چاہیے اور جو شخص اس کو طبع کرنا چاہے وہ کر لے۔ دوسری بات یہ کہ جس فکری عمل کو مذکورہ اقدامات کے ذریعے پیش کرنے کی ترغیب دی گئی جس کے ذریعہ ساری دنیا کے مسلمانوں کو بلکہ سارے انسانوں کو جگانا، روشن فکر بنانا اور پُر از معلومات بنانا ہے، اس کے قاری ہی اس مصنوع کے صارفین ہیں۔ چونکہ جدید سماجی علوم کی اسلام کاری کا عمل اسلامی ہے، اور اسلامی تصور و بصیرت کا حامل ہے، اس لیے اس کا کام صرف معلومات بہم پہنچا دینا نہیں بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ ہے۔ اسلام کے مجموعی تصور کے روبرو ہونے کے بعد انسانی شعور کو بیدار ہو جانا چاہیے۔ اس میں ہیجان برپا ہو جانا چاہیے اور اس سے ایسی مخفی قوتوں کا اظہار ہونا چاہیے جو اب تک پوشیدہ چلی آ رہی تھیں۔ اس کے زیرِ اثر فرد رضائے الٰہی کے حصول کے لیے ایک آلہ کار کی حیثیت رکھتا ہے اور پیش قدمی کرنے کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے۔ وہ اللہ کے نام پر وہ کام کر جاتا جس کا کبھی کسی نے سوچا بھی نہ ہو گا۔ یہی سبب ہے کہ جدید سماجی علوم کا جو علمی خاکہ پیش کیا جا رہا ہے اور اس کے زیرِ اثر جو کچھ بھی لکھا جائے، وہ مسلم جامعات کے ہر صاحبِ علم و دانش کے پاس بلا قیمت پہنچے۔ اس دانش ور کے ہاتھ میں مقالہ، مضمون، پمفلٹ، مجموعہ انتخاب یا کتاب کا پہنچنا اس بات کی شخصی دعوت کے مترادف ہے کہ وہ بھی اس مہم میں شریک ہو جائے اور اس سے بہتر چیز تیار کرے۔ یہی قیمت اس تحریر کی ہے جو اس تک پہنچی ہے۔ مجوزہ علمی پیش کش کو سارے مسلمان دانش وروں کے ہاتھوں میں پہنچ ہی جانا چاہیے اور یہی اس کام کا صلہ ہے۔ یاد رہے کہ یہاں مادی منافع کی بات نہیں ہو رہی بلکہ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی بصیرت سے متاثر ہونے کے بعد کیے جانے والے کام کا اس سے بڑا صلہ اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کے اذہان اور خیالات میں علمی بصیرت کو راسخ کر دے۔ اس سے بڑھ کر اور کوئی فرض نہیں ہو سکتا کہ دنیا کے مسلمان کے شعور میں اس بصیرت کو پروان چڑھا دے۔[14]

نتیجہ بحث

جدید مغربی علوم کی بنیاد مادیت پرستی پر ہے، ان کا مقصد منفعت کا حصول، آسائش اور معیارِ زندگی کو بہتر بنانا ہے۔ خدا طلبی اور اخلاقی اقدار کے لیے ان علوم میں کوئی جگہ نہیں۔ لیکن اس حقیقت میں بھی کچھ شبہ نہیں کہ سیاستِ مدن اور معاشرتی تنظیم کے ضمن میں عملی نوعیت کے جو سوالات اٹھ رہے ہیں، جدید مغربی تہذیب نے ان مسائل کے حل کے لیے متعدد مفید تجربات اور تصورات پیش کیے ہیں۔ ڈاکٹر اسماعیل راجی الفاروقی جدید مغربی علوم سے اخذ و استفادے کے قائل ہیں لیکن اس بات پر زور دیتے ہیں کہ مذہبی اور سیکولر علوم کے درمیان مطابقت پیدا کی جائے اور انھیں ایک دوسرے کا معاون بنایا جائے؛ جدید مغربی علوم کے جو ضروری عناصر اسلامی فکر و فلسفے سے متصادم ہیں ان کی اسلام کاری کر کے انھیں عام افراد تک پہنچایا جانا چاہیے۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے متعدد اصول بیان کیے ہیں، جن کے مطابق مسلمانوں کو اسلامی علوم میں گہری دسترس کے ساتھ جدید مغربی سماجی علوم کا اسلامی علوم کی روشنی میں تنقیدی تجزیہ کر کے ایسا نصابِ تعلیم سامنے لانے سے متعلق رہنمائی دی گئی ہے، جو جدید تقاضوں کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ اسلامی شریعت سے بھی ہم آہنگ ہو۔

---

[14] الفاروقی، علوم جدید کی اسلامی تشکیل: عام اصول اور خطوط کار، 101-102۔